© rasailojaraid.com

فقہ اسلامی کے مآخذ

(صدر اسلام سے امام شافعی کے عہد تک)

احمد حسن

۲

حلت و حرمت کی یہ درجہ بندی جن کو احکام خمسہ کہا جاتا ہے اصول اربعہ سے ماخوذ ہے۔ فقہ اسلامی کے یہ چار مشہور مآخذ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس ہیں۔ امام شافعی کے بعد جو اصول فقہ کی کتابیں مرتب ہوئیں، نیز اس فن کے تاریخی ادب سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان مآخذ کی یہ ترتیب ،بہت قدیم (۱) ہے اور واضعین نے ان کو اسی طرح مرتب کیا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ ادلہ اربعہ کی یہ ترتیب جوں کی توں عہد صحابہ میں موجود تھی اور استنباط مسائل میں وہ بھی ان اصول کو اسی طرح کام میں لاتے تھے جس طرح بعد میں اصول فقہ کی کتابوں میں ہمیں تفصیلات ملتی ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ اصول فقہ خود فقہ سے ماخوذ ہے۔ فقہ کا فن اصول سے پہلے وجود میں آچکا تھا۔ اس بارے میں ہمارے شبہ کے چند اسباب ہیں۔ اول یہ کہ اصول اربعہ کی یہ مقررہ ترتیب ارتقاء اور تاریخی عمل کا نتیجہ ہے جس کا آغاز عہد نبوی سے ہوتا ہے اور صحابہ کے دور سے اس میں باقاعدگی شروع ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ اس قسم کے تاریخی بیانات خود تاریخی عمل سے متاثر ہیں اس لئے ان کو یقینی شہادت نہیں کہا جاسکتا۔ سوم یہ کہ حضرت عمر کے جس خط سے یہ ترتیب معلوم ہوتی ہے اس میں "ائمۃ الہدی" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے، جو بنی امیہ کے دور میں خلفاء راشدین کے لئے مستعمل تھی۔ ابھی تک خلافت راشدہ یا خلفاء اربعہ کے "ائمۃ الہدی" ہونے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصور پیدا نہیں ہوا تھا۔ حضرت عمر سے پہلے صرف حضرت ابوبکر ایک خلیفہ ہوئے تھے، کئی ائمہ نہیں تھے جن کو ائمۃ الھدی کہا جائے۔ چہارم یہ کہ اجماع صحابہ کی حقانیت کا تصور عہد صحابہ کے بعد پیدا ہونا چاہئے۔ اس لئے اجماع کا ایک فنی حیثیت اختیار کرنا اور اصول اربعہ میں سے ایک اصل قرار پانا عہد تابعین سے شروع ہونا چاہئے۔ عملی طور پر یہ سب چیزیں موجود تھیں لیکن علمی اور فنی اعتبار سے ان میں تاریخی تقدم و تاخر تسلیم کرنا پڑے گا۔ پنجم یہ کہ حضرت عمر کے بعض خطوط میں قیاس کی اصطلاح بھی موجود ہے، جس نے دوسری اور تیسری صدی ھجری میں فنی حیثیت حاصل کی۔ اگرچہ یہ بات مسلم ہے کہ قیاس کا تصور رائے کی صورت میں صدر اسلام میں اور خلفاء راشدین کے عہد میں موجود تھا۔ بلکہ قیاس رائے کی ھی ترقی یافتہ شکل ہے۔ ششم یہ کہ کتاب الام میں امام شافعی کے اپنے مخالفین کے ساتھ مناظرون سے ظاھر ھوتا ہے کہ ان سے پہلے کے دور میں غالباً قیاس کو اجماع سے مقدم رکھا جاتا تھا اور یہ تبدیلی واضح طور پر امام شافعی کے یہاں ملتی ہے۔ اگرچہ قطعی طور پر یہ بات کہنا مشکل ہے کہ امام شافعی کے دور سے ھی قیاس و اجماع کی ترتیب میں یہ تبدیلی واقع ہوئی۔ ذیل میں ھم چند مثالیں پیش کرتے ھیں جن سے اجماع و قیاس کی قدیم ترتیب پر روشنی پڑتی ہے۔

کتاب الام میں ایک مقام پر امام شافعی کے ایک مخالف کا خبر واحد کے مقابلہ میں اجماع کو ترجیح دینا اجماع کی حجیت اور اس کی اھمیت کو ثابت کرتا ہے۔ اجماع پر زور دینے کی وجہ یہ تھی کہ امام شافعی اجماع خاصہ اور اجماع علماء پر اعتراض کرتے تھے اور اس کے مقابلہ میں خبر واحد کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست ثابت ھو ترجیح دیتے تھے۔ مناظر کا دعوی یہ ہے کہ فروعی مسائل میں اجماع علماء کی اتباع لازم ہے۔ کیونکہ ایسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسائل میں صرف علماء کو ہی صحیح علم ہوتا ہے اور ایک رائے پر ان کا اتفاق اس بات کی دلیل ہے کہ وہی رائے درست ہے۔ علماء کا اگر ایک مسئلہ پر اتفاق ہو تو ایسا اجماع یقیناً ان عامۃ الناس کے لئے حجت ہے جن کو فروعی مسائل اور نزاعی احکام کا علم نہیں ہوتا۔ ہاں کسی مسئلہ میں اگر ان کا اختلاف ہو تو پھر ان کی رائے حجت نہیں۔ اختلافی مسائل میں نزاع کو دور کرنے کے لئے اس مناظر کا خیال یہ ہے قیاس و اجماع کے طریقہ کار کو کام میں لاکر ان کو حل کیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں اس کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ قیاس کے بعد جب کسی مسئلہ میں اجماع ہوجائے تو ایک مدت کے بعد اس پر پھر نظر ثانی کی جائے اور پھر قیاس کیا جائے اور اجماع کے ذریعہ اس کا حل تلاش کیا جائے تاکہ حالات و زمانہ کی تبدیلی کی، ان مسائل میں، رعایت کی جاسکے (۲) اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس دور میں اجتہاد کے طریق عمل میں قیاس اجماع سے مقدم تھا۔

امام شافعی کے علاوہ اس دور کے دوسرے مصنفین کے بھی ایسے اقوال ملتے ہیں جن سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً ابن المقفع (متوفی سنہ ۱۴۰ھ) خلیفہ کو احکام میں اختلاف دور کرنے کے سلسلہ میں ایک مقام پر لکھتا ہے:

فلو رأى امير المؤمنين ان يأمر بهذه الاقضية والسير المختلفة لترفع اليه في كتاب و يرفع معها ما يحتج به كل قوم من سنة او قياس ثم نظر في ذلك امير المؤمنين و امضى في كل قضية رايه الذى يلهمه الله ويعزم عليه عزماً وينهى عن القضاء بخلافه و كتب بذلك كتاباً جامعاً لرجونا ان يجعل الله هذه الاحكام المختلطة الصواب بالخطاء حكما واحدا صوابا لرجونا ان يكون اجتماع السير قرينة لاجماع الامر برأى امير المؤمنين وعلى لسانه ثم يكون ذلك من امام آخر آخر الدهر ان شاء الله۔ (۳)

ترجمہ: امیر المومنین اگر مناسب سمجھیں تو حکم دیں کہ ان نزاعی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فیصلوں اور مختلف اعمال سے متعلق احکام کو یکجا کر کے ان کے سامنے پیش کیا جائے ۔ اور لوگوں نے ہر مسئلہ میں جو دلائل سنت یا قیاس سے پیش کئے ہیں ان کو بھی ان مسائل کے ساتھ پیش کیا جائے۔ اس کے بعد امیر المؤمنین ان احکام میں غور و خوض کریں اور ہر مسئلہ میں اپنی رائے سے جو اللہ تعالی ان کے دل میں ڈالے فیصلہ صادر فرمائیں۔ اور اس فیصلہ پر پختگی سے جم جائیں ۔ اور اس کے خلاف فیصلہ کرنے کی ممانعت کر دیں ۔ اور ان سب کو ایک نوشتہ کی صورت میں یکجا کر لیا جائے ۔ اس طریقہ سے ہمیں امید ہے کہ جن احکام میں درست و نا درست چیزیں ملی جلی ہیں اللہ تعالی ان سب کو درست کر دے گا۔ نیز ہم یہ توقع کرتے ہیں کہ ان مختلف اعمال (متعلقہ احکام) کو امیر المؤمنین کی رائے اور حکم کے ساتھ اکٹھا کرنا اتفاق اور اجماع کے قریب ہوگا ۔ اسی طرح دوسرا خلیفہ بھی کرے۔ اور آخر تک یہ طریقہ جاری رہنا چاہئے۔

ابن المقفع کی رائے سے ہمیں یہاں بحث نہیں اس اقتباس سے ہمیں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ ابن المقفع اس دور میں قیاس کو اجماع سے پہلے رکھتا ہے اور سنت کے بعد قیاس کو لاتا ہے ۔ اس ابتدائی دور میں اجتہاد کا فطری و معقول طریقہ یہی معلوم ہوتا ہے۔

واصل بن عطاء (متوفی سنہ ۱۳۱ھ) کا بھی اسی قسم کا قول ملتا ہے :

وهو اول من قال : الحق يعرف من وجوه اربعة: كتاب ناطق وخبر مجتمع عليه و حجة عقل و الاجماع من الامة۔ (۳)

ترجمہ : واصل بن عطاء نے سب سے پہلے یہ بات کہی کہ حق بات چار صورتوں سے پہچانی جاتی ہے ۔ کتاب ناطق ، متفق علیہ خبر ، عقلی دلیل اور اجماع امت ۔ یہاں بھی قیاس کو اجماع سے پہلے رکھا گیا ہے۔ تلاش سے اس قسم کی مثالیں اور بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ اس سے یہ بات سمجھ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آتی ہے کہ صدر اسلام میں ماخذ کی ترتیب میں کچھ فرق تھا ۔ بعد میں غالباً اس میں تبدیلی آئی ہوگی ۔

اگر عقلی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ قیاس و اجماع کا باھمی عمل ناگزیر ہے ۔ مسائل میں قیاس کے بعد ھی کسی ایک رائے پر اجماع ممکن ہے ۔ قیاس کے بغیر اجماع کا تصور نہیں کیا جاسکتا ۔ قیاس سے جو مختلف آراء سامنے آتی ھیں ایک عرصہ کے بعد ان میں سے کسی ایک رائے پر امت متفق ھو جاتی ہے ۔ لیکن قیاس و اجماع کا یہ عمل نا محسوس اور بہت دھیما ھوتا ہے ۔ اجماع اس بات کو بتلاتا ہے کہ ایک فرد کی رائے کو وہ وزن اور قوت حاصل نہیں ہے جو مجمع علیہ رائے کو حاصل ہے ۔ اسی قوت اور وزن کی بنا پر غالباً امام شافعی اور متاخرین علماء اصول نے کتاب و سنت کے بعد اجماع کو تیسرا درجہ دیا ہے ۔ اور اس کے بعد قیاس کو رکھا ہے ۔ لیکن اجتہاد کے طریق عمل میں قاعدہ کی رو سے قیاس کا درجہ اجماع سے پہلے ہے ۔

فقہ اسلامی کے چار ماخذ میں سب سے پہلا درجہ قرآن مجید کو حاصل ہے ۔ سنت قرآن مجید کی ھی تفسیر اور تشریح ہے ۔ اسی لئے بعد میں اصول فقہ کی کتابوں میں یہ بحثیں چھڑی ھیں کہ سنت سے قرآن مجید کے منصوص احکام میں زیادتی اور اضافہ ھوسکتا ہے یا نہیں ؟ سنت قرآن کی تفسیر اور تشریح ھونے کے ساتھ ساتھ خود ایک مستقل ماخذ بھی ہے ۔ اس کو اگرچہ قرآن کے بعد ثانوی حیثیت حاصل ہے ، لیکن یہ ھر طرح قرآن کے ساتھ مربوط ہے اسی لئے بعد میں یہ اصول وضع کیا گیا کہ کوئی ایسی حدیث قبول نہیں کی جائے گی جو قرآن مجید کے کسی خاص حکم ، یا اس کی مجموعی تعلیمات ، یا اس کی روح کے خلاف ھو ۔ قیاس رائے کی باضابطہ ، اور ترقی یافتہ صورت ہے ۔ اور اس کا دارومدار بھی قرآن و سنت پر ہے ۔ قیاس ھی کو اس وقت اجماع کہنے لگتے ھیں جب پوری امت یا علماء امت متفقہ طور پر اس کو تسلیم کر لیتے ھیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختصر یہ کہ کتاب و سنت، قیاس و اجماع آپس میں ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ ان سب میں ایک ہی روح کار فرما ہے، جن کے لئے آخری سند قرآن مجید ہے۔

فقہ اسلامی کے بنیادی ماخذ درحقیقت قرآن و سنت ہی ہیں۔ ان کو ہر زمانہ اور ہر قسم کے حالات میں سند سمجھا گیا ہے۔ جن مسائل کے بارے میں قرآن و سنت میں واضح احکام نہیں ہیں، ایسے مسائل میں قیاس و اجماع کے ذریعہ ان دونوں ماخذوں سے احکام مستنبط کئے جاتے ہیں اس لحاظ سے قیاس و اجماع استنباط احکام کے لئے ایک آلہ اور ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور قرآن و سنت پر مبنی ہونے کی وجہ سے ان کو بھی ایک ماخذ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ہے، لیکن کتاب و سنت کے بعد ان کا درجہ ثانوی ہے، اور ان کے ذریعہ معلوم کئے ہوئے احکام کو وہ قوت اور برتری حاصل نہیں ہے جو قرآن و سنت کے منصوص احکام کو حاصل ہے۔

اب ہم ان چار ماخذوں میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ قدرے تفصیل سے بحث کریں گے۔ پہلے ہم کہ چکے ہیں کہ قرآن مجید فقہ اسلامی کا سب سے پہلا ماخذ ہے۔ خود قرآن مجید کی متعدد آیات یہ بتلاتی ہیں کہ اسلامی قانون کا سر چشمہ اور فقہ اسلامی کی بنیاد کتاب اللہ ہے۔ (۵) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تیرہ سال اور مدینہ میں دس سال رہے۔ مدینہ کا دور مکی دور کی طرح مسلمانوں کے ضعف، آزمائش اور محکومیت کا نہیں تھا۔ مدینہ میں مسلمانوں کی شہری ریاست قائم ہوچکی تھی اور امت اسلامیہ اب عالم کے افق پر آہستہ آہستہ ابھر رہی تھی۔ لہذا مکہ میں مسلمانوں کو جس قسم کی ہدایات اور قوانین دئے گئے، اس قسم کے قوانین کی اب مدینہ میں ضرورت نہیں تھی۔ مکی صورتوں میں کفر و شرک اور بت پرستی کی مذمت، توحید رسالت و آخرت پر ایمان، قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے کے دلائل،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرشتوں اور انبیاء پر ایمان ، مشرکین مکہ کی طرف سے دی جانے والی اذیتوں اور آزمائشی دور کی تکلیفوں پر صبر کی تلقین ، یہ اور اسی نوع کی دوسری اخلاقی تعلیمات کا خصوصیت سے ذکر ملتا ہے۔ اس کے برخلاف مدنی سورتوں میں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے متعلق تفصیل سے احکام دیے گئے۔ اسی لئے مدنی سورتیں مکی سورتوں کے مقابلہ میں نسبۃً طویل ہیں۔ بعض مکی سورتوں میں زکوۃ (۶) کا لفظ بھی ملتا ہے ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زکوۃ کا نظام ایک اجتماعی ادارہ کی حیثیت سے مکہ میں موجود نہیں تھا۔ اس سے مراد یا تو اختیاری طور پر غریبوں کی مدد کرنا ہوگا ، یا پھر اخلاقی پاکیزگی اس کا مفہوم ہوسکتا ہے (۷) ۔ مدینہ میں اس کی فرضیت کے بعد باقاعدہ نظام قائم کیا گیا ۔ نماز اور زکوۃ بہر حال اپنی ابتدائی شکل میں مکہ میں موجود تھے۔

اس مسئلہ سے قطع نظر کہ قرآن مجید میں احکام کی آیات کتنی ہیں ، یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن مجید دور حاضر میں رائج قوانین کی کتابوں کی طرح نہ تو خالص قانون کی کتاب ہے ، اور نہ ہی محض چند اخلاقی تعلیمات کا مجموعہ ہے۔ قرآنی تعلیمات کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کے لئے ایسے اصول اور ایسی ہدایات پیش کرے جن سے انسان خالق و مخلوق دونوں کے ساتھ اپنا رشتہ استوار کرسکے۔ قرآن مجید انسان کی اجتماعی ، انفرادی ، مادی اور روحانی زندگی کے لئے برابر ہدایات دیتا ہے۔ قرآن مجید میں میراث کے احکام ، ازدواجی زندگی سے متعلق قوانین ، جنگ وصلح کے بارے میں ہدایات ، چوری اور قتل کے بارے میں سزاؤں کا ذکر ہے ان سب کا مقصد انسان کی اجتماعی زندگی کو خوشگوار بنانا ہے۔ اس قانونی پہلو کے علاوہ قرآن مجید میں اخلاقی تعلیم کا عنصر کچھ اس سے زیادہ ہی ہے۔ بلکہ احکام و قوانین کو بھی ترغیب و ترہیب اور اخلاقی رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ تاہم یہ کہنا قطعاً صحیح نہیں ہے ، جیسا کہ پروفیسر کولسن (Coulson) کا خیال ہے کہ قرآن کا بنیادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقصد انسان کا رشتہ انسانوں کے ساتھ استوار کرنا نہیں ہے، بلکہ اپنے خالق کے ساتھ انسان کا رشتہ قائم کرنا ہے (۸)۔

قرآن مجید میں احکام اور قانون سے متعلق آیات کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا لب و لہجہ خالص قانونی نہیں ہے۔ ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ قرآن مجید اخلاق اور قانون دونوں کو ملاکر احکام بیان کرتا ہے۔ قرآن درحقیقت انسانی ضمیر سے مخاطب ہے۔ احکام بیان کرتے وقت درمیان میں ترغیب و ترہیب کے مضامین، اور آخر میں اس قسم کے جملوں "خدا سمیع و بصیر ہے" "خدا حکیم ہے، خبیر ہے" وغیرہ کے استعمال کا مقصد انسانی ضمیر کو اصولی طور پر اطاعت الٰہی پر آمادہ کرنا ہے، قرآن مجید کی مجموعی تعلیم سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ محض ضابطہ اور قانون کا مجموعہ نہیں ہے، جس میں انسانی زندگی میں پیش آنے والے ہر ہر مسئلہ سے متعلق جزوی تفصیل کے ساتھ قوانین دیے گئے ہوں۔ اس لئے قرآن کو ماخذ قانون کہا جاتا ہے، خود قانون کی کتاب نہیں کہا جاتا۔ دوسرے الفاظ میں ہم اس کو یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید نے انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں سے متعلق بنیادی ہدایات اور اصول وکلیات پیش کئے ہیں، جن کی روشنی میں مسلمان، خود قیاس کے ذریعہ فروعی و جزوی مسائل میں قوانین و ضابطے مرتب کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں جتنا حصہ قانون سے متعلق ہے وہ درحقیقت ایک نمونہ ہے آئندہ دوسرے مسائل میں قانون سازی کا، تاکہ ان مسائل میں قانون سازی کے وقت قرآن کی روح اور منشا سے انحراف نہ ہوسکے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام سے متعلق قرآن مجید کی متعدد آیات اس وقت نازل ہوئیں جب صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی مسئلہ میں سوالات کئے یا کوئی اجتماعی ضرورت پیش آئی۔ اس لئے ان احکام سے اصول اور کلیات اخذ کر کے مزید قوانین بنائے جاسکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک عام آدمی قرآن مجید اس ذہن سے پڑھتا ہے کہ یہ قانون کی ایک جامع کتاب ہے، جس میں زندگی کے ہر جزوی مسئلہ سے متعلق حکم دیا گیا ہے۔ خود قرآن مجید کی بعض آیات (۹) یہ بتلاتی ہیں کہ اس کتاب میں تفصیل سے ہر چیز بیان کی گئی ہے اور کوئی چیز چھوڑی نہیں گئی۔ اگرچہ اجتماعی، سیاسی اور مذہبی زندگی کے بارے میں اس کو تفصیل سے اصول و کلیات اور کہیں کہیں اہم جزئیات بھی قرآن مجید میں ملتے ہیں، لیکن بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کا جواب اس کو قرآن سے نہیں ملتا۔ قرآن مجید مذہبی امور کے سلسلہ میں صلوة اور زکوة کا بار بار ذکر کرتا ہے لیکن ان کی تفصیلات قرآن مجید میں سوجود نہیں ہیں۔ اس سے قرآن مجید کی جامعیت کے بارے میں مختلف سوالات، اور شکوک و شبہات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اس قسم کے شبہات اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ آدمی یہ بات نظر انداز کر دیتا ہے کہ قرآن مجید خلاء میں نازل نہیں ہوا۔ بلکہ اس پیغمبر پر نازل ہوا جو دین اسلام کی اشاعت میں کوشاں تھا۔ قرآنی تعلیمات درحقیقت وہ الہی ہدایات ہیں جو آپ کو کہیں اختصار سے، کہیں تفصیل سے، کہیں کلیات و اصول کی شکل میں اس محنت و کوشش کے سلسلہ میں دی گئیں۔ اس لئے جزوی اور فروعی مسائل اور غیر ضروری تفصیلات سے قرآن نے اجتناب کیا ہے۔ اور یہ تفصیلات دینا ممکن بھی نہیں تھا۔ قرآن مجید مسلمان کی زندگی کی سمت اور حدود متعین کرتا ہے۔ اس متعین سمت میں چل کر اور اس کے مقرر کردہ حدود میں رہ کر مسلمان خود بھی سینکڑوں باتوں کو اپنی عقل و بصیرت سے معلوم کر سکتا ہے، اور بیشتر مسائل کا جواب اسے سنت سے مل جاتا ہے۔ قرآن مجید مجموعی طور پر اسلامی نظریہ حیات کو ایسے عام اور وسیع انداز میں پیش کرتا ہے، جن سے مختلف زمانوں میں بدلتے ہوئے حالات کے مطابق قوانین بنائے جاسکیں۔ قرآن مجید کی بعض آیات اس کی بعض مجمل آیات کی خود تفسیر کرتی ہیں۔ اصولی طور پر قرآن مجید نے انسانی زندگی کے بنیادی مسائل سے متعلق درحقیقت کوئی چیز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں چھوڑی - جن کی تفصیل اور تعیین سنت سے معلوم کی جا سکتی ہے - ایک مسلمان کو عملی طور پر کیسے زندگی گذارنا چاھئے ، اور پوری امت مسلمہ کی اجتماعی زندگی کی شکل کیا ہو، اس کے حدود اور بنیادی اصول و قواعد قرآن مجید نے بتلائے ھیں ، اور اس کی تفصیلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ھی بتلائی ھیں - اس لحاظ سے پیغمبر کا کام درحقیقت قرآن مجید کی تعلیمات کو عملی شکل دینا تھا - اسی لئے سنت قرآن مجید کے صریح احکام یا اس کے منشا اور روح کے خلاف کوئی حکم نہیں دیتی -

پروفیسر شخت Joseph Schacht اپنی مشہور تصنیف " مبادی فقہ اسلامی " The origins of Muhammadan Jurisprudence میں لکھتے ھیں کہ " چند نہایت ابتدائی احکام کو چھوڑ کر قرآن سے ماخوذ اصول و معیار تقریباً بلا تغیر فقہ اسلامی میں ثانوی درجہ پر داخل کئے گئے " - اپنے اس دعوے کی دلیل میں وہ طلاق سے متعلق بعض قوانین ، یہ قاعدہ کہ میدان جنگ میں مقتول کا سامان مارنے والے کو ملے گا ، یہ حکم کہ دشمن کے علاقہ کو تباہ نہ کیا جائے ، شاھد مع الیمین کا اصول ، اور نابالغوں کی شہادت کے اصول پیش کرتے ھیں - ان مسائل میں فقہاء کے اختلاف سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ھیں کہ انہوں نے اولا اپنی رائے سے یہ اصول بنائے ، بعد میں ان کو ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات سے تائید حاصل کی (١٠) ھمارے خیال میں ڈاکٹر شخت کی رائے صحیح نہیں ہے - یہ بات انہوں نے خود تسلیم کی ہے کہ میراث ، شہادت اور حدود سے متعلق قرآن مجید سے ماخوذ احکام آغاز اسلام سے ھی قانون کا حصہ رہے ھیں ، یہ شریعت کے بنیادی احکام میں داخل ھیں - جن مسائل سے متعلق قرآن مجید نے صراحت سے احکام و قوانین نہیں بتلائے ، فقہاء نے ان کو رائے اور قیاس کے ذریعہ حل کیا - اس سے فاضل مؤلف نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ قرآن سے اخذ کردہ اصول کو قانون میں ثانوی درجہ حاصل ہے ، رائے اول درجہ پر ہے - خود رائے سے مستنبط احکام بھی قرآن کی روح اور اس کے منشا کے خلاف نہیں ھیں ، اگرچہ اس کی تائید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بعد میں۔ کوئی آیت قرآنی سمجھ میں آئی ہو اور اس حکم کو قرآن کی اس آیت سے بعد میں ماخوذ سمجھا گیا ہو، اس سے یہ بات کہاں نکلتی ہے کہ قرآن سے ماخوذ اصول کو فقہ میں ثانوی حیثیت حاصل ہے۔

یہ بات بلا شبہ کہی جاسکتی ہے کہ فقہ اسلامی کا فن اپنے ارتقائی عمل سے گذر کر ہم تک پہونچا ہے۔ قرآن مجید سے استنباط کے وہ اصول جو بعد میں بنائے گئے اور جن سے مزید پیچیدگیاں بڑھ گئیں ابتدائی دور میں موجود نہیں تھے، اور نہ قرآن سے استنباط احکام کا طریقہ اتنا مشکل اور پیچیدہ تھا۔ علوم و فنون کی تدوین سے پہلے ہر فن کی طرح فقہ میں بھی فطری سادگی اور آسانی موجود تھی۔ بہت سے احکام جو ابتداء میں قرآن سے ماخوذ نہیں سمجھے گئے تھے، بعد کے دور میں قرآن کے گہرے اور وسیع مطالعہ سے ان کی قرآن سے تائید مل گئی۔ بعض اوقات یہ بھی ہوا کہ ایک ہی مسئلہ میں کچھ فقہاء نے قرآن سے احکام نکالے، لیکن دوسرے فقہاء کے نزدیک وہ احکام قرآن سے نہیں نکلتے تھے، بلکہ وہ حدیث یا قیاس پر مبنی تھے۔ اسی لئے اصول فقہ میں متاخر دور میں نص کی قسمیں کرنا پڑیں۔ ابتداء میں نص واضح احکام کو کہتے ہوں گے، لیکن جب قرآنی آیات سے اشارہ اور دلالت سے بھی احکام نکالے جانے لگے تو وہ بھی نصوص میں داخل ہوگئے۔ اسی وجہ سے احکام میں اختلافات پیدا ہوئے۔ اس قسم کے اختلافات سے یہ بات کہاں نکلتی ہے، جیسا کہ ڈاکٹر شخت کا خیال ہے، کہ ہر مسئلہ میں قرآن کو حدیث کے بڑھتے ہوئے رجحان کے لحاظ سے مقام دیا گیا۔ اور اگر قرآن کو تنہا ایک ماخذ کی حیثیت سے سمجھا جائے؛ اس سے قطع نظر کہ حدیث سے کسی خاص مسئلہ پر کیا اثر پڑتا ہے، تو یہ کہنا مشکل ہوگا کہ صدر اسلام میں، اصول قانون اسلامی میں، قرآن کو اولیت حاصل تھی (۱۱)۔

پروفیسر شخت کو خود اس بات کا اعتراف ہے کہ اسلام کے بہت سے قوانین، خصوصاً عائلی قوانین اور میراث سے متعلق احکام، عبادات اور بہت سی مذہبی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسوم کو چھوڑ کر آغاز اسلام سے ہی قرآن مجید پر مبنی تھے (۱۲) ۔ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ادلہ اربعہ میں قرآن مجید کے اساسی اور اولین ماخذ ہونے کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ اس میں ہر مسئلہ سے متعلق انتہائی تفصیل سے ہر حکم موجود ہوگا۔ قرآن کے قانونی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے ہم اوپر بار بار یہ بات کہہ چکے ہیں کہ عصر حاضر میں رائج قوانین کی کتابوں کی طرح قرآن مجید باقاعدہ کوئی قانون کی کتاب نہیں ہے۔ اس میں انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے جو اخلاقی اور روحانی تعلیمات دی گئی ہیں ان ہی سے ہمیں قانون بنانا ہوگا ۔ ہر مسئلہ کی جزوی تفصیلات بیان کرنا اس کتاب ہدایت میں ممکن نہیں ہے۔ پروفیسر شخت نے اپنے دعوے کی تائید میں جو مثالیں پیش کی ہیں وہ ایسے مسائل ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید نے تفصیلی احکام بیان نہیں کئے ہیں ۔ لیکن ان مسائل کے متعلق اصولی ہدایات اور جامع قوانین بہرحال موجود ہیں ، جن میں استنباط احکام کے وقت اپنی اپنی بصیرت ، دلیل اور طریق اجتہاد میں اختلاف کی بنا پر اختلافات ہوسکتے ہیں ، اور یہی وجوہ ان مسائل سے متعلق احکام میں اختلاف کے بارے میں بھی پیش کئے جاسکتے ہیں ۔ یہ بات ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ ایک مجتہد کے نزدیک ایک خاص آیت سے ایک حکم نکلتا ہے ، لیکن دوسرے کی رائے میں وہ حکم اس آیت سے نہیں نکلتا ۔ اسی لئے ایک مجتہد ایک ہی مسئلہ میں قرآن سے استدلال کرتا ہے ، دوسرا سنت سے۔ صدر اسلام میں ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ میں حکم کی تلاش کے لئے سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کیا جاتا تھا ۔ حضرت ابوبکر سے جب میراث میں دادی کے حصہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے یہ کہا کہ نہ قرآن میں مجھے اس کے متعلق کوئی حکم ملتا ہے ، اور نہ سنت نبوی میں (۱۳) ۔ ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کا ایک مفرور غلام چوری کا مرتکب ہوا ۔ انہوں نے گورنر مدینہ سعید بن العاص سے اس کا ہاتھ کاٹنے کے لئے کہا ۔ سعید بن العاص نے یہ کہہ کر ہاتھ کاٹنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے انکار کیا کہ بھاگے ہوئے غلام کا ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا ۔ ابن عمر نے ان سے پوچھا کہ خدا کی کون سی کتاب میں یہ حکم موجود ہے (۱۴) ۔ اس قسم کی مثالوں سے یہ بات آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے کہ استنباط احکام میں صدر اول میں قرآن مجید کو بنیادی اور اولین ماخذ کی حیثیت حاصل تھی ۔

(باقی)

حواشی

(۱) مثلاً حضرت عمر نے قاضی شریح کو جو خط لکھا تھا اس میں یہ ترتیب موجود ہے ۔ ملاحظہ ہو ابن حزم ''الاحکام فی اصول الاحکام'' قاہرہ سنہ ۱۳۴۵ ھ ج ۶ ۔ ص ۲۹ نیز ابن عبدالبر جامع بیان العلم و فضلہ ، قاہرہ ج ۲ ۔ص ۵۶ ۔ ۵۷ ۔

(۲) امام شافعی کتاب الام مطبوعہ قاہرہ سنہ ۱۳۲۵ ھ ج ۷ ص ۲۵۵ ۔

(۳) ابن المقفع رسالہ فی الصحابہ مشمول رسائل البلغاء قاہرہ سنہ ۱۹۵۴ع ص ۱۲۷ ۔

(۴) ابوہلال عسکری کتاب الاوائل ۔ ملاحظہ ہو مقالہ شبیر احمد خاں غوری ''اسلام میں علم و حکمت کا آغاز'' ۔ معارف اعظم گڑھ ۔ اپریل سنہ ۱۹۶۲ع ص ۲۷۸ ۔

(۵) قرآن مجید ، ۵ : ۴۷ ۔ ۵۰ وغیرہ ۔

(۶) قرآن مجید، ۷ : ۱۵۶، ۲۳ : ۴ ۔

(۷) سید سلیمان ندوی ۔ سیرۃ النبی، اعظم گڑھ، ۱۹۵۲ء ۔ ج ۵ ص ۲۰۸ ۔ ۲۰۹ ۔

(۸) N. J. Coulson, A History of Islamic Law, Edinburgh, 1964, p. 12.

(۹) قرآن مجید : ۹ :۳۸، ۷ : ۵۲، ۱۲ : ۱۱۱

(۱۰) Joseph Schacht, The Origins of Muhammadan Jurisprudence, Oxford, 1959 p. p. 224, 226.

(۱۱) ایضاً ص ۲۲۴ ۔

(۱۲) ایضاً ۔

(۱۳) مؤطا مالک ج ۲ ۔ص ۵۱۳

(۱۴) ایضاً ص ۸۳۳ ۔

© rasailojaraid.com